Nov
2025

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

تحریک پیام انسانیت کی
اہمیت وافادیت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

”پیام انسانیت کی تحریک ملک کے تمام دینی، تعلیمی، علمی کوششوں اور تحریکوں کے لیے ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے اندر رہ کر ہر کوشش کامیاب ہوسکتی ہے اور اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے پُرسکون اور معتدل فضا مہیا ہوگی۔ اس لیے اس تحریک کو میں ہر تحریک کا خادم اور معاون سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک ہر دعوت وتحریک کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ کم سے کم اس کی حیثیت وہ ہے جو کسی فرّاش یا سقّہ، یا زمین برابر کرنے والے، یا شامیانہ لگانے والے کی ہوتی ہے جس کے بعد کوئی بھی جلسہ یا اجتماع ہوسکتا ہے، خواہ وہ خالص مذہبی نوعیت کا ہو یا تعلیمی بحث ومذاکرہ کا۔“

(تحریک پیام انسانیت کے بارے میں ایک اہم انٹرویو: ۱۴-۱۵)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

تحریک پیام انسانیت کا پیغام

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

''پیام انسانیت'' فورم کو ''پیام انسانیت'' اسی لیے کہا گیا ہے تا کہ آدمی یہ سمجھے کہ یہ انسانی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ اخلاق برتنے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کی ایک تحریک ہے، اس تحریک کے پلیٹ فارم سے لوگوں کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ آپس میں مل کر رہو، آپس میں محبت کے ساتھ رہو اور ایک دوسرے کے فائدہ کو دیکھو، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم صرف اپنے ہی فائدہ کو دیکھو بلکہ دوسرے کے فائدہ کو بھی دیکھو اور جو پڑوسی ہونے کی حیثیت سے تم پر ذمہ داری ہے اس کو پورا کرو اور یاد رکھو انسانی رشتوں کے نباہنے میں مذہب حائل نہیں ہوتا بلکہ اپنے اپنے مذہب پر آدمی قائم رہے اور پوری طرح قائم رہے مگر انسانی رشتوں کا مکمل خیال رکھے، اس سلسلہ میں مذہب اس کی مکمل رہنمائی بھی کرتا ہے، مذہب خود ہم کو یہ بتاتا ہے کہ تمہارے اوپر پڑوسی کا حق ہے، اب خواہ وہ پڑوسی کوئی بھی ہو اور کسی بھی مذہب کا ہو، جب پڑوسی ہے تو اس کے ساتھ پڑوسی والا اخلاق برتنا ہے۔

''پیام انسانیت'' انسانیت کی صدا بلند کرنے کی ایک تحریک ہے، اس کا پیغام یہ ہے کہ ہمیں انسانی سطح پر آپس میں محبت و یکجہتی پیدا کرنا ہے، اس سے ہمارا سماج بہترین سماج بنے گا، ورنہ ہمارا سماج بہت گھٹیا سماج ہوگا جس کو دیکھنے والے اس کی مذمت کریں گے اور اگر ہمارے سماج میں انسانی خوبیاں پیدا ہو جائیں تو دیکھنے والے اس کی تعریف کریں گے اور رشک کریں گے کہ یہ سماج واقعی ایک مثالی سماج ہے، اس میں سب ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کی ہمدردی کرتے ہیں، ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں یہ نہیں دیکھتے کہ کس کی تکلیف ہے، بس ان کے اندر یہ جذبہ ہے کہ اگر کسی کی تکلیف ہے تو گویا وہ ہماری تکلیف ہے، ہمیں اس کو دور کرنا ہے اور اس کی انسانی سطح پر ہر ممکن مدد کرنا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو ہمارے سماج کے بہت سے وہ مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے جو آج ہماری خود غرضی کی وجہ سے ختم ہونا مشکل معلوم ہوتے ہیں، بس شرط صرف یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور اس کے ساتھ انسانی سطح پر سلوک اور ہمدردی کا معاملہ کریں۔ اس طریقہ سے ہم اس ملک میں ایک اچھی مثال پیش کر سکتے ہیں جس سے اس ملک کو بھی فائدہ ہوگا اور یہاں کے باشندوں میں مسلمانوں کے متعلق جو بری رائے قائم ہے وہ رائے بھی ختم ہوگی اور ایک اچھی رائے قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۷ — نومبر ۲۰۲۵ء - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ — شمارہ: ۱۱

صحیح مسلمان کی پہچان

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے
لوگ محفوظ رہیں۔)

(سنن النسائی: ۵۰۱۲)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: Rs.15/- — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زر تعاون: Rs.150/-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

ملک کا خطرناک رخ اور ہماری ذمہ داری (اداریہ)............۳

بلال عبدالحی حسنی ندوی..

فسخ کے بعض دوسرے اسباب..............................۴

مفتی راشد حسین ندوی..

تحریک پیام انسانیت اور اہمیت وضرورت......................۷

مولانا سعود الحسن ندوی غازی پوری..............................

فرقہ واریت کا طوفان اور اس کا مقابلہ.........................۱۰

محمد مکی حسنی ندوی...

ملک کی بگڑتی صورت حال: حل اور علاج......................۱۲

محمد امین حسنی ندوی...

انسان کی تعمیر...۱۵

محمد نجم الدین ندوی...

تحریک پیام انسانیت–طریقۂ کار اور دائرۂ کار..............۱۷

سید عبدالعلی حسنی ندوی...

مولانا علی میاں ندویؒ اور تعمیر انسانیت......................۱۹

محمد ارمغان بدایونی ندوی...

دل پہ وہ وقت بھی کس درجہ گراں ہوتا ہے

نتیجۂ فکر:- جناب عامر عثمانی

دل پہ وہ وقت بھی کس درجہ گراں ہوتا ہے
ضبط جب داخل فریاد وفغاں ہوتا ہے

کیسے بتلائیں کہ وہ درد کہاں ہوتا ہے
خون بن کر جو رگ وپے میں رواں ہوتا ہے

عشق ہی کب ہے جو مانوس زباں ہوتا ہے
درد ہی کب ہے جو محتاج بیاں ہوتا ہے

جتنی جتنی ستم یار سے کھاتا ہے شکست
دل جواں اور جواں اور جواں ہوتا ہے

واہ کیا چیز ہے یہ شدتِ ربط باہم
بارہا خود پہ مجھے تیرا گماں ہوتا ہے

کتنی پامال امنگوں کا ہے مدفن مت پوچھ
وہ تبسم جو حقیقت میں فغاں ہوتا ہے

عشق سر تا بہ قدم آتش سوزاں ہے مگر
اس میں شعلہ نہ شرارہ نہ دھواں ہوتا ہے

کیا یہ انصاف ہے اے خالق صبح گلشن!
کوئی ہنستا ہے کوئی گریہ کناں ہوتا ہے

غم کی بڑھتی ہوئی یورش سے نہ گھبرا عامرؔ
غم بھی اک منزلِ راحت کا نشاں ہوتا ہے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ملک کا خطرناک رخ اور ہماری ذمہ داری

آزادیٔ ہند کے بعد سے ہمارے ملک کی صورت حال یہ ہے کہ آپس میں دوریاں پیدا کی جارہی ہیں، اسلام اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی غلط تصویر پیش کی جارہی ہے، ذرائع ابلاغ اور میڈیا پوری طرح اسی کام میں لگا ہوا ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الکٹرانک میڈیا، اس کے لیے تمام طریقے اختیار کیے جارہے ہیں اور سارے کے سارے وسائل اس طرح استعمال کیے جائے رہے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی ایک بھیانک تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی جاسکے۔ اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ نفرت اور بھید بھاؤ کا ایک سیلاب ہے، اسلام کی ایسی بھیانک تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا ایک سیلاب ہے جو تیزی کے ساتھ داخل ہورہا ہے اور گھر گھر داخل ہورہا ہے، اگر خدانخواستہ ایسی صورت حال میں ہم بیدار نہ ہوئے اور ہم نے اس کے انسداد کی کوششیں وتدابیر اختیار نہ کیں تو اس ملک میں ہمارا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو دنیائے انسانیت کے لیے برپا کیا گیا ہے، اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، اپنے طور پر دین کا عمل کرلیا اور اپنی ذمہ داری پوری کردی تو یاد رکھئے! یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو دین وشریعت کی جو امانت عطا فرمائی اور یہ نظام زندگی جو اس نے ہمیں دیا، یہ صرف اس لیے نہیں ہے کہ ہم عمل کرکے فارغ ہوجائیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اس لیے دیا کہ ہم اس پر عمل کریں اور اس کا نمونہ دنیائے انسانیت کے سامنے رکھیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت دنیا کی پیاس صرف ہم ہی بجھا سکتے ہیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس اخلاقی نظام کو ہم نے کتابوں میں بند کرکے رکھ دیا اور ہم اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حضرت مولاناؒ بار بار یہ بات کہتے تھے کہ اصل پیام انسانیت یہی ہے کہ ہم اسلام کا نظام اخلاق لوگوں کے سامنے پیش کریں، سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کریں اور اگر ہم کہیں کاروبار کررہے ہیں تو ہم دکھائیں کہ اسلام ہمیں کن چیزوں کی تلقین کرتا ہے۔ آج دنیا پیاسی ہے مگر ہم اس کی پیاس بجھانے کے لیے تیار نہیں، اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمیں خود پیاس لگی ہے اور پانی ہمارے پاس رکھا ہے لیکن ہم پینے کے لیے تیار نہیں، ضرورت ہے کہ ہم خود بھی پانی پئیں اور انسانیت کی اس پیاس کو بھی بجھانے کی کوشش کریں۔

یہ دنیا اس وقت جہنم کدہ بنی ہوئی ہے، خودغرضی کی آگ بھڑک رہی ہے، ہر آدمی کو اپنی فکر ہے، نہ کسی کو اپنے بھائی کی فکر ہے، نہ خاندان کی فکر ہے، نہ اپنے شہر کی فکر ہے، نہ اپنے ملک کی فکر ہے اور نہ انسانیت کی فکر ہے، بس یہ فکر ہے کہ ہمارا بیلنس کیسے بڑھ جائے، ہماری دولت میں اضافہ کیسے ہوجائے اور ہماری سہولتیں کس طرح سے زیادہ ہوجائیں۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ انسانیت کی صدا لگائی جائے، لوگوں کے ذہنوں کو اپیل کیا جائے، ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور ان کے سامنے عملی طور پر وہ نمونے بھی پیش کیے جائیں جو اس بات کی دلیل ہوں کہ مسلمان اس ملک کے سچے بہی خواہ ہیں اور وہ اس ملک کی ترقی کے لیے ہر محاذ پر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت یہ کام ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبہ میں ہونا چاہیے، اس وقت ضرورت ہے کہ آپ کے اندر ایک جذبہ پیدا ہو اور آپ یہ سمجھ لیں کہ ہمارے سارے دینی کام، ہمارے مدرسے، ہماری دینی تحریکات اور ادارے ان حالات میں سخت خطرہ سے دوچار ہیں، اگر خدانخواستہ ہم نے یہ کام نہ کیا تو بہت بڑے خطرے کی بات ہے پھر شاید ہم بچ نہیں سکتے۔

فسخ کے بعض دوسرے اسباب

مفتی راشد حسین ندوی

عام طور سے ہندوستان میں دار القضاء میں وہی اسباب پیش آتے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا، لیکن فقہاء نے کچھ اور اسباب کا بھی ذکر کیا ہے، چونکہ کبھی دار القضاء میں ان کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے، لہٰذا ان کا ذکر کرنا مفید ہوگا۔

۱- عدم کفاءت کی بنیاد پر فسخ:

اگر کوئی عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کسی سے نکاح کر لے تو ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور بہت سے ائمہ کے نزدیک یہ نکاح سرے سے منعقد نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان حضرات کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر کیے جانے والے نکاح کو حدیث شریف میں باطل کہا گیا ہے:

”عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل.“(الترمذی: ۱۱۰۲، أبو داؤد: ۲۰۸۴، ۲۰۸۳، ابن ماجة: ۱۸۷۹)

”وعن أبی موسیٰ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لا نكاح إلا بولي.“(ابن ماجة: ۱۸۸۱، الترمذی: ۱۱۰۱، أبو داؤد: ۲۰۸۵)

احناف کے یہاں یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن اگر غیر کفو میں کیا گیا یعنی لڑکی نے ایسے شخص سے نکاح کیا جو نسبی یا مالی اعتبار سے لڑکی کے جوڑ کا نہیں ہے تو ظاہر الروایہ کے اعتبار سے نکاح ہو جائے گا لیکن اگر ولی چاہے تو جب تک اس نکاح سے ولادت نہ ہو جائے، دار القضا جا کے اعتراض کر سکتا ہے اور اگر دونوں کا بے جوڑ ہونا ثابت ہو جائے تو قاضی نکاح فسخ کر سکتا ہے لیکن ولادت کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا۔(بدایة المجتهد: ۲/ ۸، ہدایہ مع فتح القدیر: ۳/ ۲۵۶-۲۵۹، شامی: ۳/ ۵۶)

احناف کے یہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت نے اگر غیر کفو میں نکاح کیا تو یہ نکاح باطل ہوگا، متاخرین کا فتویٰ بھی اسی روایت پر رہا ہے۔(شامی: ۳/ ۵۷)

لیکن موجودہ دور کے علماء نے موجودہ زمانہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ نکاح ہو جائے گا لیکن اولیاء کو اعتراض کا حق ہوگا۔

(نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۹۵)

نکاح میں دھوکہ:

اگر لڑکی کا نکاح گھر والوں نے لڑکی کی اجازت سے کرایا لیکن کفاءت کے مسئلے میں ان کو دھوکہ دیا گیا، لڑکے کو کفو ظاہر کیا گیا جب کہ وہ لڑکی کے جوڑ کا نہیں تھا تو اولیاء اور لڑکی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ نکاح کو فسخ کرا لیں لیکن اگر اولیاء اور لڑکی نے لڑکے کو جوڑ کا سمجھا لیکن لڑکے نے کوئی دھوکہ نہیں دیا تھا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کفو نہیں ہے تو کسی کو فسخ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔(شامی: ۳/ ۸۵-۸۶)

زوجین میں سے کسی کا (نعوذ باللہ) مرتد ہو جانا:

اگر مسلمان میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو تفریق قاضی کے بغیر ان کے درمیان نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

(البحر الرائق: ۳/ ۲۳۰)

اب اگر شوہر مرتد ہوا ہے تو اس کی مسلمان بیوی عدت گزارنے کے بعد (یعنی اگر اسے حیض آتا ہے تو تین حیض گزرنے کے بعد اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد، اگر آیسہ ہے تو تین مہینے گزرنے کے بعد) کسی اور سے شادی کر سکتی ہے۔(البحر الرائق: ۳/ ۲۳۱)

اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے لیکن

وہ قاضی کے یہاں تفریق کرائے بغیر کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی۔
(شامی:۳/۱۹۴، الحیلۃ الناجزۃ:۵-۱۷، مطبوعہ مہد الشریعہ لکھنؤ)

جب زوجین غیر مسلم ہوں اور شوہر اسلام قبول کرلے:

اگر میاں بیوی غیر مسلم تھے پھر دونوں میں سے شوہر کو اللہ نے اسلام کی ہدایت دے دی، تو اگر بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو نکاح باقی رہے گا، اس لیے کہ یہودی اور عیسائی عورت سے مسلمان کا نکاح کرنا جائز ہے، تو اس صورت میں نکاح کا باقی رہنا بدرجہ اولیٰ ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے اسلام کی جس نعمت سے اسے سرفراز کیا ہے کوشش کرے کہ بیوی کو بھی وہ نعمت مل سکے تاکہ بچوں کا اسلام سلامت رہے لیکن اگر بیوی ہندو پارسی ملحد یا کسی اور مذہب کو ماننے والی ہے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اگر زمانہ عدت گزرنے سے پہلے پہلے وہ اسلام قبول کرلے تو دونوں کا نکاح برقرار رہے گا اور چاہے جس طرح شادی کی ہو وہی کافی ہوگی، پھر سے اسلامی احکام کے مطابق نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر وہ عدت گزرنے تک اسلام قبول نہیں کرتی ہے تو ان کا نکاح خود بخود ٹوٹ جائے گا، اب اگر وہ اسلام قبول بھی کرے تو اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو پھر سے انھیں نکاح کرنا ہوگا اور عدت اگر حائضہ ہو تو تین حیض، آیسہ (یعنی چھوٹی یا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے جس کو حیض نہ آتا ہو) تو تین مہینے اور حاملہ ہو تو وضع حمل ہوگی، اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تب بھی اسی طرح عدت تک نکاح باقی رہے گا۔
(شامی:۳/۱۹۱-۱۹۲)

جب عورت اسلام قبول کرلے:

اور اگر زوجین غیر مسلم تھے پھر دونوں میں سے بیوی کو اللہ کو نے اسلام کی ہدایت دی تو اگر دونوں دار الاسلام میں رہتے ہیں، جہاں اسلامی احکام نافذ ہیں تو بیوی اپنا معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے گی، قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے گا اور شوہر اگر اسلام قبول کرے تو دونوں اپنے نکاح میں باقی رہیں گے اور اگر شوہر انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا پھر عدت گزارنے کے بعد بیوی جہاں چاہے نکاح کرلے۔
(الفتاویٰ الہندیہ:۱/۳۳۸، شامی:۳/۱۹۱)

اور اگر دار الاسلام میں نہ رہتے ہوں، ایسی جگہ رہتے ہوں جہاں اسلامی احکام نافذ نہیں ہیں جیسے مثال کے طور پر ہندوستان میں تو قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اولاً تو یہاں ہر جگہ قاضی مہیا نہیں ہیں، جہاں ہیں بھی وہ شوہر کو بلا کر اس پر اسلام پیش کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں، ایسی جگہوں پر اسلام قبول کرنے والی بیوی چاہے مدخول بہا ہو یا نہ ہو عدت گزار کر الگ نکاح کرسکتی ہے، عدت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا حائضہ کے لیے تین حیض، آیسہ کے لیے تین مہینے اور حاملہ کے لیے وضع حمل ہوگی، اس درمیان میں اگر شوہر اسلام قبول کرلے تو دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔
(شامی:۳/۱۹۱)

"وينبغي أن يكون ما ليس بدار الحرب والإسلام ملحقاً بدار الحرب..الخ" (أيضاً)

لعان کے احکام

لعان کا لفظ لغت میں "لعن" سے باب مفاعلہ کے صیغہ سے مصدر ہے: "لاعن زوجته ملاعنة ولعاناً"، "لعن" کے معنی خیر سے دھتکارنے اور دور کرنے کے ہیں چونکہ لعان میں زوجین ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، اس لیے اس مخصوص عمل کو لعان کا نام دیا گیا۔ (المعجم الوسیط، شامی:۳/۴۸۲، باب اللعان)

اور شریعت کی اصطلاح میں لعان ان چار گواہوں کا نام ہے جن کو قسم کے ذریعہ مؤکد کیا جاتا ہے اور مرد کی گواہی لعنت سے اور عورت کی گواہی غضب سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ (شامی:۳/۴۸۲)

اس طرح مرد کی طرف سے بھی پانچ گواہیاں ہوتی ہیں اور عورت کی طرف سے بھی پانچ گواہیاں ہوتی ہیں، چار گواہیاں چار گواہوں کی جگہ ہوتی ہیں جیسا کہ حد زنا میں چار گواہ ہوا کرتے ہیں اور پانچویں گواہی مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوتی ہے

اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوتی ہے۔
(شامی: ۴۸۲/۳، ہندیہ: ۵۱۴/۱)

لعان کی مشروعیت:

اگر کوئی شخص کسی پاک دامن مرد یا عورت کو زنا کا الزام لگائے تو اسلام میں اس پر حد قذف جاری ہوگی یعنی اگر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس پر اسّی کوڑے لگائے جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا... الخ﴾

اسی لیے صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت ہلال بن امیہ نے جب اپنی زوجہ پر زنا کا الزام لگایا تو آپ ﷺ نے ان سے چار گواہ طلب کیے، انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو وہ گواہ کیسے تلاش کر سکتا ہے، غیرت اس سے مانع ہوگی۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ویدرأ عنها العذاب: ٤٧٤٧)

اس واقعہ کے بعد آیات لعان نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ... الخ﴾ (النور: ٦-٩)

(اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لیے خود ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے کسی (مرد) کی گواہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار مرتبہ گواہی دے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار مرتبہ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو۔)

لعان جاری ہونے کی شرطیں:

لعان کا حکم اسی وقت جاری ہوتا ہے جب مندرجہ ذیل شرطیں پوری ہو رہی ہوں:

۱- زوجین آزاد ہوں یعنی اگر زوجین یا دونوں میں سے کوئی ایک غلام ہو تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔

۲- دونوں عاقل ہوں۔

۳- بالغ ہوں۔

۴- مسلمان ہوں۔

۵- گونگے نہ ہوں۔

۶- ان پر پہلے کبھی حد قذف جاری نہ ہوئی ہو۔

۷- مرد نے صراحت سے زنا کی تہمت لگائی ہو یا بچہ کے نسب کا انکار کیا ہو۔

۸- عورت نے صراحت سے زنا کا انکار کیا ہو۔

۹- بیوی کو طلاق بائن نہ دے رکھی ہو۔

۱۰- دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہوا ہو، لہٰذا اگر دونوں کے درمیان نکاح فاسد ہوا تھا تو ان کے درمیان لعان جاری نہیں ہوگا۔

۱۱- الزام لگانے کا یہ واقعہ دار الاسلام میں پیش آیا ہو جہاں حدود وقصاص جاری ہو لہٰذا ہندوستان جیسے ملک میں جس طرح حدود وقصاص نافذ نہیں ہو سکتے، اسی طرح لعان بھی جاری نہیں کیا جائے گا۔
(ہندیہ: ۵۱۵/۱، البحر الرائق: ۱۲۲/۴ ومابعد، شامی: ۴۸۳/۳ ومابعد)

لعان کا حکم:

لعان کا حکم یہ ہے کہ لعان جاری ہو جانے کے بعد ان کے درمیان وطی حرام ہو جاتی ہے، اگرچہ تفریق اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب قاضی ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ لعان کرنے والے کبھی اکٹھا نہیں ہوں گے۔ (الا یہ کہ دونوں میں سے کوئی لعان سے رجوع کر لے۔) (شامی: ۴۸۳/۳)

بچہ کے نسب کی نفی کب ہوگی؟

محض لعان کرنے سے بچہ کے نسب کی نفی نہیں ہوگی، اس کے لیے قاضی کا الگ سے حکم دینا ضروری ہوگا پھر اس حکم کے بعد بچے کا نسب ماں سے جوڑا جائے گا، باپ سے منسوب نہیں کیا جائے گا، لیکن اس کو ولد الحرام کہنا جائز نہیں ہوگا۔ (البحر الرائق: ۱۲۹/۴)

لعان کے بعد عدت ہوگی؟

لعان کے بعد عورت پر عدت گزارنا لازم ہوگا اور عدت کا نفقہ شوہر پر ہوگا۔ (شامی: ۴۸۹/۳)

تحریک پیام انسانیت اور اہمیت وضرورت

مولانا سعود الحسن ندوی غازی پوری

ہندوستان صدیوں کی غلامی کے بعد ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی مشترکہ کوششوں سے آزاد ہوا تھا لیکن بدقسمتی سے آزادی کی نعمت سے ہم کنار ہونے کے بعد ہندوستانی قوم آپس ہی میں دست وگریباں ہوگئی۔ چرچل نے آزادی سے قبل خم ٹھونک کر کہا تھا کہ ’’جب ہم ہندوستان سے جائیں گے تو خاک اڑا کر جائیں گے اور یہی ہوا بھی۔‘‘

ایک طرف ملک آزادی کی خوشیاں منا رہا تھا تو دوسری طرف ملک میں منظّم پیمانے پر کشت وخون کا بازار گرم تھا۔ آخری انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن دہلی میں بیٹھ کر ہندوستانی قوم کو جو آزاد ہو چکی تھی برباد کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا، دہلی مغربی پنجاب، راجستھان اور مغربی یوپی فسادات کے خاص مراکز تھے۔ مغربی پنجاب میں ہندو اور سکھ مل کر مسلمانوں کا صفایا کر رہے تھے، دہلی کے حالات دگرگوں تھے۔ مغربی یوپی سے مسلمان تخلیہ کر رہے تھے، ملک کے دوسرے صوبوں میں کم وبیش یہی حالات تھے، ٹرینوں میں سفر کرنا مشکل تھا، جو لوگ لٹ پٹ کر اور اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان کا رخ کر رہے تھے وہ راستے ہی میں مار دیئے جاتے تھے یا کچھ لوگ بچ جاتے تھے تو سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہو کر مہاجر کہلاتے تھے، غرض کہ آزادی کے بعد سالہا سال تک لوگ غیر یقینی حالات میں زندگی گزار رہے تھے۔

ملک کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد اس صورت حال سے کافی دکھی تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں تھے جن کا دل ملک کے بدلتے ہوئے حالات پر مضطرب تھا اور وہ چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد ملک ترقی کرے اور امن وعافیت کا گہوارہ بنے، کسی کی حق تلفی نہ ہو، کوئی کسی کو حقیر نہ سمجھے، سب مل جل کر ملک کی حفاظت وترقی کے لیے کام کریں لیکن افسوس کہ یہاں سب کچھ الٹا ہو رہا تھا، جب ملک میں امن وامان ہی نہ ہوگا تو ملک کی ترقی وخوش حالی کا خواب کیسے پورا ہوگا؟ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اگرچہ مذہبی اور علمی وتعلیمی لائن کے آدمی تھے مگر ان سے ملک کی تباہی وبربادی اور انسانیت کی تذلیل نہ دیکھی گئی اور انہوں نے کافی غور وفکر کے بعد بلاتفریق مذہب وملت اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں پر دستک دینے کا فیصلہ کیا اور کام کا آغاز کر دیا۔

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ رقم طراز ہیں:

’’مولانا نے اپنے ہم وطن غیر مسلموں کا حق سمجھا کہ ان کو یکسر نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے، چنانچہ تبلیغی جماعت کی حرکت ومحنت کے ساتھ ایک مزید کام کا آغاز کیا گیا کہ ایسے اجتماعات منعقد کیے جائیں جن میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔‘‘

(میر کارواں، صفحہ ۳۰۵)

ان اجتماعات میں حضرت علیہ الرحمہ مؤثر انداز میں اپنے دل کا درد بیان کرتے تھے جس سے سامعین کے دلوں میں بھی اضطراب کی لہریں اٹھنے لگتی تھیں۔ حضرت جب کہتے تھے کہ ’’دیکھو! ایک کمہار مٹی کے برتن بناتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کے برتن کو توڑ دے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے پھر غور کرو کہ خدا نے ایک جیتا جاگتا انسان بنایا اس کو کوئی ہلاک کر دے تو خدا کیا ناراض نہ ہوگا؟‘‘ اپنی اس تحریک کو حضرت علیہ الرحمہ نے ’’پیام انسانیت‘‘ کا نام دیا اور جگہ جگہ اس کے بینر تلے بڑے اجتماعات ہونے لگے۔ ان اجتماعات کی خصوصیت یہ ہوا کرتی تھی کہ ان میں غیر مسلم حضرات بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے اور حضرت کی درد بھری صدا سن کر متاثر ہوتے اور محسوس کرتے کہ اگر فسادات کی آگ پر قابو نہ پایا گیا تو یہ ملک جانوروں کا بھٹ

بن جائے گا، انسانیت فنا ہو جائے گی۔

ان اجتماعات نے ملک کے حالات پر مثبت اثر ڈالا، ذہنوں میں پائی جانے والی تلخی، بدگمانی اور ناگواری کو جس حکمت اور سلیقے کے ساتھ حضرت نے دور کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے، اس کا اندازہ حضرت مولانا بلال حسنی ندوی صاحب کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے: ''ان جلسوں اور دوروں سے ملک کی فضا پر گہرا اثر پڑا، غیر مسلم دانشوروں کے دلوں میں مسلمانوں کی وقعت پیدا ہوئی اور ان کی افادیت کا احساس ہوا اور خود مسلمانوں کو آزاد فضا میں کام کرنے کا موقع ملا۔'' (سوانح مفکر اسلام، صفحہ ۳۱۶)

حضرت ہی تحریک پیام انسانیت کے داعی و محرک تھے پھر آپ سے بہتر کون شارح ہو سکتا تھا۔ آپ اپنے ایک انٹرویو کے دوران ان الفاظ میں تحریک کے پس منظر اور مقاصد پر روشنی ڈالتے ہیں:

''کسی ملک اور کسی دور میں بھی تعلیمی و تعمیری کاموں کے لیے خواہ وہ کتنے ہی مقدس مفید اور ضروری ہوں شرط یہ ہے کہ اس ملک میں معتدل (Normal) حالات ہوں، جہاں بار بار کوہ آتش فشاں پھٹتا ہو، سائیکلون جلد جلد آتے ہوں، سیلاب اپنی قہر سامانیوں کے ساتھ پورے شہر اور صوبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہو وہاں تعلیمی و تعمیری کاموں کے لیے دماغی سکون اور ولولۂ عمل کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے؟''
(تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر ۱۰/ جولائی تا ۱۵/ اگست ۲۰۰۰ء، صفحہ ۲۲۸)

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت ہی تحریک کے اصل داعی و محرک تھے مگر جنہیں اس میدان میں حضرت کا دست و بازو بننے کی سعادت حاصل ہوئی ان میں حضرت مولانا محمد الحسنی، مولانا اسحٰق جلیس ندوی اور حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ نمایاں حیثیت کے حامل ہیں کہ یہ اپنی قوت فکر و عمل کے ساتھ قدم بہ قدم شریک رہے۔

تحریک کبھی ہلکی اور کبھی تیز رفتار سے چلتی رہی۔ دعوت دی جاتی رہی، لوگ قریب آتے رہے، شکوک و شبہات بھی پیدا ہوتے رہے۔ کسی نے کہا کہ اس سے وحدت ادیان کا فتنہ جنم لے سکتا ہے۔ کسی کو شبہ ہوا کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ حضرت اس کا مختصر سا جواب دیتے ہیں:

''مسلمانوں کو من حیث الجماعہ اس کا کچھ فائدہ نہ پہنچے اور ملک کو فائدہ پہنچ جائے تب بھی ان کو یہ کام کرنا چاہیے، جہاں تک ''وحدت ادیان'' کا سوال ہے تو اس کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں کہ میں شروع سے اس کا مخالف ہوں اور وحدت حق کا قائل ہوں، ہم صرف اخلاق، خدا ترسی، انسان دوستی اور اخلاقی اور شہری شعور کی دعوت دیتے ہیں، یوں سمجھ لیجیے کہ اس غیر مسلم اکثریت والے ملک میں اس ''حلف الفضول'' کی ایک تقلید ہے جو بعثت سے قبل مکہ معظّمہ میں ایک انجمن یا معاہدہ کی شکل میں قائم ہوا تھا جس کے اہم دفعات یہ تھے کہ ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکتے رہیں گے۔''
(انٹرویو پیام انسانیت، صفحہ: ۲۱)

حضرت کی جدو جہد جاری رہی، حضرت چاہتے تھے کہ ہم اپنے اخلاق کی خوشبو پھیلائیں، اپنا جوہر دکھائیں، محبت اور انسانیت کے گل کھلائیں، مخلوق کے لیے خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ اپنے دل میں رکھیں اور اپنے کو مفید ثابت کریں۔ ظاہر ہے اس کے لیے ہمیں کچھ کرنا ہوگا، اپنے راحت و آرام کو قربان کرنا ہوگا اور وہ بے چینی اور اضطراب اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا جو بے چینی اور اضطراب ایک داعی کے قلب میں جاگزیں ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں کا ہر فرد خواہ وہ کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو، اس کام کو تابحد مقدور انجام دینے کا تہیہ کر لے، جتنا ہو سکتا ہو کرے بلکہ اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ اس اہم کام کو بھی شامل کر لے اور اس کی دعوت دوسروں کو دیتا رہے۔ راقم بھی ایک دینی مدرسہ سے وابستہ ہے لہٰذا ذمہ داران مدارس اسلامیہ سے خصوصیت کے ساتھ درخواست کرتا ہے کہ اس کو اپنے مقاصد میں شامل کر لیں، انشاءاللہ وہ اس کا فائدہ محسوس کریں گے، دوریاں کم ہوں گی، ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا مگر افسوس کہ اس سلسلہ میں بہت کم کوششیں ہو رہی ہیں،

مدارس کے حلقے میں جو بیداری اور حرکت و عمل ہونا چاہیے تھا وہ دیکھنے میں نہیں آرہا، ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے یہ مدارس جن کی روشن تاریخ کو اسلام دشمن طاقتیں داغ دار کرنا چاہتی ہیں ان کے لیے یقیناً یہ ایک عمدہ ذریعہ ہوسکتا ہے کہ وہ علاحدہ یا سالانہ جلسوں میں اس کے لیے ایک نشست مخصوص کریں اور ''پیام انسانیت'' کو عام کریں۔

راقم سطور کو اس وقت بے حد حیرت ہوئی جب مشہور اعلیٰ پولیس افسر مسٹر وبھوتی نرائن رائے کو ایک مدرسہ (مدرسہ دینیہ غازی پور) میں ۲۰۰۳/۳/۱۶ء کو اس وقت جب کہ ملک گجرات کے ہولناک فسادات سے گزرا تھا، پیام انسانیت کے بینر تلے منعقدہ پروگرام میں بہت سے حقائق کے اعتراف کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''کسی مدرسہ میں آنے کا یہ میرا پہلا اتفاق ہے۔'' مسلمانوں کے سلسلہ میں ہمدردانہ جذبہ اور صاف ذہن رکھنے والے اس پولیس افسر سے تقریباً پورا ملک واقف ہے۔

ضرورت ہے کہ مشترکہ اجتماعات کیے جائیں جن میں برادران وطن کو خاص طور سے بلایا جائے۔ ان کو بتایا جائے کہ کشتی میں سوراخ ہو جائے تو اس میں جتنے لوگ سوار ہوتے ہیں سب ڈوبتے ہیں اور اگر بستی میں آگ لگ جائے تو سب ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ پانی اور آگ یہ دیکھتی ہو کہ اس میں کون کس مذہب کا ہے۔ پانی سب کو ڈبوتا ہے، آگ سب کو جلاتی ہے، اس ملک کو کشتی سمجھ کر سب مل کر بچائیں اور اس کے سوراخ کو بند کریں، آگ لگی ہو تو سب مل کر بجھائیں۔

دیکھئے حضرت کس درد اور کس کسک کے ساتھ سماج کی خبر لینے کی تلقین کرتے ہیں:

''ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر عام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہیے، وہ ہے ملک کی اخلاقی اصلاح، سماجی سدھار اور ذمہ داری کا احساس۔ یاد رہے جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالیہ اور معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہو جائے تو اس کو نہ حکومت بچاسکتی ہے، نہ جمہوری نظام، نہ ایک زبان اور نہ ایک کلچر۔''

(ایک اہم انٹرویو، صفحہ ۲۴)

حضرت نے دسمبر ۱۹۷۷ء میں بھوپال کے جلسہ پیام انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ دل خدا کی بارگاہ میں کوڑی کے قابل نہیں، چاہے مسلمان کا دل ہو یا ہندو کا، سکھ یا عیسائی کا، دل تو اس لیے ہے کہ تڑپے لرزے، روئے، اس میں زمین سے زیادہ شادابی، آبشار سے زیادہ سیرابی، کائنات سے زیادہ وسعت اور بادلوں سے زیادہ برسنے کی صلاحیت ہو۔ وہ آنکھ انسان کی نہیں نرگس کی آنکھ ہے جس میں نمی نہ ہو، وہ دل انسان کا نہیں چیتے کا دل ہے جس پر کبھی درد کی چوٹ نہ لگے، جو کبھی انسانیت کے غم میں رونا تڑپنا نہ جانے۔'' (تحفہ انسانیت: ۳۴)

حضرت مولاناؒ کے افکار واقوال کی روشنی میں ہمیں ان کی تحریک پیام انسانیت کو سمجھنے اور اس کو عام کرنے کی امکانی کوشش کرنی چاہیے، اس کی ضرورت و اہمیت خود بھی محسوس کرنا چاہیے اور دوسروں کو بھی بتانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہر حساس اور فکر مند شخص کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اپنی سطح سے کام کرتا رہے، بہت زیادہ منصوبہ بندی اور اسباب ووسائل کے انتظام وانتظار کے بجائے حضرت کے طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر اس کو ہندوستان کی زندہ تحریک بنا دینا چاہیے۔

فی الوقت ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کے قائم کردہ نقوش کو دلیل راہ بنایا جائے اور اس پر گامزن ہوا جائے، ایک مربوط پروگرام کے تحت جگہ جگہ جلسے ہوں، خواص سے باتیں ہوں، سماجی و سیاسی حلقوں سے رابطہ قائم کیا جائے اور سب کو بتایا جائے کہ ملک شدید اخلاقی بحران سے دوچار ہے، انسانیت کا دامن تار تار ہے، بدامنی عام ہے، راستے مخدوش ہیں۔ قتل وغارت کا بازار گرم ہے، مسافر محفوظ ہیں نہ مقیم مامون ہیں۔ کب کہاں کیا ہو جائے کہا نہیں جا سکتا۔ ایسے میں ہمارا بحیثیت ایک مسلمان، بحیثیت ایک امن پسند شہری اور بحیثیت ایک محبِّ وطن فرض ہے کہ ملک کو اور انسانیت کو بچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور جو کچھ بن پڑے کریں ؎

وقت آں نیست کہ در حجرہ نشینی بے کار

فرقہ واریت کا طوفان اور اس کا مقابلہ

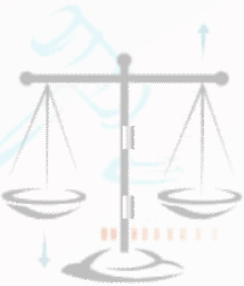

محمد مکی حسنی ندوی

انسانی تاریخ میں اختلافِ رائے ہمیشہ سے رہا ہے مگر جب اختلافِ رائے، نفرت، دشمنی اور قتل و غارت میں تبدیل ہو جائے تو وہ ''فرقہ واریت'' کہلاتی ہے۔ فرقہ واریت صرف ایک فکری یا مذہبی اختلاف نہیں بلکہ ایک ایسا زہر ہے جو معاشرہ کے اتحاد، محبت اور اخوت کو نگل جاتا ہے۔ آج کا مسلمان معاشرہ اسی فتنے کی لپیٹ میں ہے۔ اسلام جو اخوت، مساوات اور اتحاد کا پیغام لایا تھا، وہی امت آج تفرقہ، حسد اور عناد میں بٹ چکی ہے۔ فرقہ واریت دراصل اس ذہنی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان اپنے مخصوص گروہ، مسلک یا مذہبی نظریہ کو ہی حق سمجھتا ہے اور دوسروں کو گمراہ یا دشمن تصور کرتا ہے۔

قرآن کریم نے اسی کیفیت کے بارے میں سخت تنبیہ فرمائی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾(آل عمران: ۱۰۳)

(اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو)

فرقہ واریت کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب نظریاتی اختلافات کو علمی حدود سے نکال کر جذباتی اور سیاسی رنگ دیا جائے۔ یہ رویہ آہستہ آہستہ نفرت، دشمنی اور تشدد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں بھی فکری اختلافات پیدا ہوئے۔ خوارج، شیعہ، اور مُرجیہ جیسے گروہوں نے اپنے مخصوص عقائد کو بنیاد بنا کر امت میں تفریق ڈالی، بعد کے ادوار میں سیاسی طاقت، حکومتی مفادات اور غیر مسلم قوتوں کی سازشوں نے فرقہ واریت کی آگ کو مزید بھڑکایا۔ عباسی اور اموی ادوار میں بعض حکمرانوں نے مذہب کو سیاست کا ہتھیار بنایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علمی اختلافات جو پہلے علمی بحث تک محدود تھے، عوامی تصادم میں بدل گئے۔

برصغیر میں بھی فرقہ واریت نے کئی بار تباہی مچائی۔ مغلیہ دور کے زوال کے بعد جب مسلمان کمزور ہوئے تو انگریزوں نے ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے تحت مذہبی گروہوں میں اختلافات کو ہوا دی۔ یہی وہ دور تھا جب مذہبی گروہ بندیوں نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

دینی تعلیم سے دوری، علماء و خطباء کا غیر ذمہ دارانہ کردار، سیاسی مفادات، اسلام دشمن سازشیں، سوشل میڈیا کا منفی استعمال اور تعلیمی و فکری کمزوری، یہ وہ اسباب ہیں جنہوں نے امت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا اور غیروں نے بھر پور فائدہ اٹھایا۔

فرقہ واریت کے نقصانات:

فرقہ واریت کے نقصانات صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہیں جیسے:

۱- امت کی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔
۲- اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا کے سامنے مسخ ہو جاتا ہے۔
۳- قتل و غارت، دہشت گردی اور خانہ جنگی جنم لیتی ہے۔
۴- تعلیم، تجارت اور ترقی رک جاتی ہے۔
۵- بیرونی طاقتیں مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔
۶- نوجوان نسل دین سے بے زار ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اسلام کو نفرت کے ساتھ جوڑنے لگتی ہے۔

یہ تمام باتیں آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، قرآن کریم میں اس انجام کی پیش گوئی کی گئی ہے کہ

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾(الأنفال: ٤٦)

(آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری قوت جاتی رہے گی۔)

آج پوری دنیا کے مسلمان ممالک فرقہ واریت کے اثر سے بکھر چکے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں شیعہ سنی تصادم، جنوبی ایشیا میں دیوبندی - بریلوی - اہل حدیث اختلافات، افریقہ میں قبائلی اور مسلکی لڑائیاں — سب اسی فتنے کے مظاہر ہیں۔

پاکستان، عراق، لبنان، شام اور یمن جیسے ممالک میں ہزاروں جانیں فرقہ وارانہ فسادات کی نذر ہو چکی ہیں۔ ان ممالک کی سیاسی کمزوری اور بیرونی مداخلت نے آگ میں تیل کا کام کیا ہے۔

اسلام کی بنیاد ہی اتحاد و محبت پر ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

"المسلم أخو المسلم، لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره"

(مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔) (مسلم: ۶۷۰۶)

اسی طرح قرآن میں متعدد مقامات پر امت کو ایک جسم قرار دیا گیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

(مؤمن تو سب بھائی ہیں۔)

اسلام اختلافِ رائے کی اجازت دیتا ہے مگر تفرقہ اور دشمنی کی ممانعت کرتا ہے۔ اختلاف اگر علم و تحقیق کی بنیاد پر ہو تو وہ باعث رحمت ہے لیکن اگر ضد، انا یا مفاد کی بنیاد پر ہو تو وہ لعنت بن جاتا ہے۔

فرقہ واریت کا خاتمہ ممکن ہے بشرطیکہ ہم انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر خلوص کے ساتھ یہ اقدامات کریں:

۱- قرآن و سنت کی طرف رجوع۔
۲- دینی قیادت کی اصلاح۔
۳- تعلیمی اصلاحات۔
۴- میڈیا اور سوشل میڈیا کا مثبت استعمال۔
۵- بین المسالک مکالمہ (InterSect Dialogue)
۶- سیاست سے مذہب کی علیحدگی۔
۷- عدالتی اور حکومتی اقدامات۔
۸- عوامی شعور کی بیداری
۹- پیامِ انسانیت (بین المذاہب انسانیت کی بنیاد پر رواداری)

اسلام صرف مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے امن کا پیغام ہے۔ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بھی انسانیت، انصاف اور احترام کا برتاؤ فرقہ واریت کے انسداد میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

فرقہ واریت کا طوفان امت مسلمہ کے لیے زہر قاتل بن چکا ہے۔ یہ وہ فتنہ ہے جس نے ہمیں سیاسی، معاشی اور فکری لحاظ سے کمزور کر دیا ہے۔ اس آگ کو بجھانے کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع، دینی و اخلاقی تربیت، تعلیم و شعور اور باہمی محبت کے فروغ کی سخت ضرورت ہے۔ اسلام کا پیغام واضح ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

(ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔)

امتِ مسلمہ کے لیے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو علمی دائرے میں رکھے اور دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں ایک مضبوط، متحد اور باوقار قوم بن کر کھڑی ہو۔

فرقہ واریت ایک فکری اور عملی بیماری ہے جس کا علاج قرآن کی وحدت، نبی ﷺ کی سنت اور باہمی احترام میں مضمر ہے۔ اگر ہر مسلمان اپنے قول و فعل میں عدل، محبت اور علم کی روشنی پیدا کرے تو فرقہ واریت کا خاتمہ ناممکن نہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

''کسی قوم کو، کسی جماعت کو عزت کا مقام اسی وقت ملتا ہے جب وہ کسی کو فائدہ پہنچائے اور خود فائدہ نہ اٹھائے، جب وہ اپنا دامن جھاڑ دے اور دوسروں کی جھولی بھر دے، وہ اپنے گھر میں اندھیرا پسند کرے اور دوسروں کے گھر میں چراغ جلائے، جب وہ اپنے بچوں کو بھوکا سلائے ابوطلحہ انصاریؓ کی طرح اور مہمانوں کو شکم سیر کر کے اٹھائے، آپ تاریخ پڑھیں تو آپ پر بہت سے حقائق کھلیں گے اور عبرت و موعظت کا بڑا سامان ملے گا۔''

(ملک کا خطرناک رخ اور دانشور طبقہ کی ذمہ داری: ۱۵-۱۶)

ملک کی بگڑتی صورت حال: حل اور علاج

مولانا علی میاں ندویؒ کی تحریروں کی روشنی میں

محمد امین حسنی ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اپنے کو تاریخ کا ایک طالب علم کہتے تھے، تاریخ آپ کا خاص موضوع تھا، آپ نے ملکوں کی تاریخ بھی پڑھی قوموں کی تاریخ بھی پڑھی اور ادیان ومذاہب کی تاریخ بھی پڑھی، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب، ملکوں کی ترقی وتنزلی کے محرکات اور ادیان ومذاہب کے پھیلنے اور سمٹنے کی وجوہات سے آپ خوب واقف تھے۔

تاریخ کا یہ مطالعہ تھا جس نے آپ کو سوچنے سمجھنے کا ایک الگ انداز دیا، خطرات کو جاننے کی غیر معمولی صلاحیت دی اور سماج میں پھیلتی بیماریوں اور ملک میں پھیلتے امراض کی نشان دہی کا غیر معمولی سلیقہ دیا، خطرات سے کیسے نمٹا جائے، بیماریوں پر کیسے قابو پایا جائے اور امراض کو بڑھنے سے کیسے روکا جائے؟ اس کی تدابیر آپ کی تحریروں اور تقریروں اور وزرائے اعظم کو لکھے گئے خطوط میں ملتی ہیں، ان کو دیکھ کر عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے کہ اپنے دعوتی، اصلاحی، تدریسی وتصنیفی کاموں کے باوجود ملک کے حالات پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے اور ملک کی ترقی، خوش حالی، یکجہتی، سالمیت، امن وامان کے لیے کتنے فکرمند رہتے تھے اور اس کے لیے جو کچھ کر سکتے تھے کرتے تھے۔

ملک کے لیے آپ کی فکرمندی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی آخری علالت کے دوران عیادت کے لیے اس وقت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی جب ندوہ آئے تو مولانا نے ان سے کہا: ”اٹل جی! خدا کے ہاں سیاست نہیں چلتی خلوص چلتا ہے، خلوص کے ساتھ کام کیجیے، کامیابی قدم چومے گی، ترقی کی راہیں کھلیں گی اور فتح وکامرانی آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلے گی، اوپر والے نے آپ کو اتنا بڑا ملک دیا ہے وہ اس ملک کے بارے میں آپ سے پوچھے گا بھی، آپ کو یہ ایک موقع ملا ہے کہ آپ اس ملک کو اتنی ترقی دیجیے اور اس کو اتنا خوش حال بنائیے اور یہاں کے باشندوں کو وہ امن وامان دیجیے کہ لوگ دوسرے ملکوں میں جانے کے بارے میں سوچے بھی نہیں اور اس ملک کو اتنا اوپر لے جائیے کہ یورپ وامریکہ بھی اس پر رشک کریں۔“

ایک مرتبہ ملک کے سابق وزیر اعظم وشوناتھ پرتاب سنگھ کو جو اس وقت یوپی کے وزیر اعلیٰ تھے اور مرادآباد میں عیدگاہ کا سانحہ ابھی گذرا ہی تھا، لکھنؤ کے ایک جلسہ میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”میرا ہاتھ آپ کے گریبان تک تو نہیں پہنچ سکتا لیکن آپ کا دامن پکڑ کر یہ ضرور کہوں گا کہ خدا کے لیے مجھے اس لائق رکھیے کہ میں باہر کا سفر کر سکوں، ملک کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے اور یہاں کی بدامنی کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے باہر کا سفر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، میں کیسے لوگوں کا سامنا کروں گا، میں کیسے ان کے سوالات کے جوابات دوں گا، جب وہ یہاں کی بدامنی کے بارے میں پوچھیں گے، جب وہ یہاں کے تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحان کے بارے میں سوال کریں گے، جب وہ یہاں کی بڑھتی ہوئی فرقہ وارایت کی لہر کے بارے میں پوچھیں گے تو میں کیا کہوں گا؟ سچ کہہ نہیں سکتا کیوں کہ اس سے ملک کی بدنامی ہوگی، جھوٹ بول نہیں سکتا کیوں کہ میرا مذہب مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا۔“

سابق وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے دہلی میں ایک ملاقات کے دوران کہا کہ ”ہم یہاں کسی فرقہ کی نمائندگی کرنے نہیں آئے ہیں اور نہ ہی

صرف مسلم قوم کی بات کہنے آئے ہیں بلکہ ہم ملک کی بقا چاہتے ہیں۔"

حضرت مولانا نے نس بندی کے موقع پر وزیر اعظم اندرا گاندھی کو ایک خط لکھا جس میں وہ لکھتے ہیں: "ملک جس اخلاقی پستی اور گراوٹ کی طرف جا رہا ہے اور ضمیر جتنا بے حس و مردہ ہو چکا ہے اس وقت ملک کی جلد خبر لینے کی ضرورت ہے۔"

ایک دوسرے خط میں اندرا گاندھی کو لکھا کہ "ملک کی حفاظت صرف تین باتوں سے ہوگی: سچے سیکولرزم، صحیح جمہوریت اور ہندو مسلم اتحاد، یہی تین راستے ہیں جس سے ملک بچ سکتا ہے۔"

مولانا نے ان کی توجہ اس بات کی طرف مرکوز کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ملک کو تین خطروں کا سامنا ہے: "پہلا خطرہ ظلم وتشدد کا رجحان، انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کی بے قیمتی۔"

مولانا نے تاریخی حوالہ سے یہ بات بتائی کی کہ ظلم وسفاکی کے نتیجہ میں بڑی سے بڑی حکومتیں ختم ہوگئیں اور وہ داستان پارینہ بن گئیں، اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو نہ ملک بچے گا نہ قوم، اس بات کے مہاتما گاندھی بھی سخت مخالف تھے اور اس سے شدید خطرہ محسوس کرتے تھے، اس لیے کہ آگ کو جب باہر کی کوئی چیز کھانے کو نہیں ملتی تو وہ اپنے کو کھانے لگتی ہے، فرقہ وارانہ منافرت اور تشدد فرقوں سے آگے بڑھ کر ذاتوں طبقوں اور پھر خاندانوں اور افراد میں منتقل ہوجائے گا اور پھر ملک کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا، ملک اس وقت ایک ایسے بحران اور ایسے خطرہ سے دوچار ہے جس کی مثال پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

"دوسرا خطرہ ہندو احیائیت کی تحریک ہے۔" اس سے ہندو مسلم میں خطرناک صورت حال پیدا ہوگی، نئی کشمکش پیدا ہوگی، نئے مسائل سامنے آئیں گے جس کی نہ ملک کو ضرورت ہے نہ قوم کو، اس لیے اس صورت حال سے بچنے کی ضرورت ہے۔

"تیسرا خطرہ اخلاقی گراوٹ ہے" اور یہ گراوٹ اپنی آخری انتہا کو پہنچ گئی ہے، قدم قدم پر رشوت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، عدالتوں میں دفتروں میں، پولیس تھانوں میں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں بغیر رشوت کے کام نہیں ہوتا، پیسہ کے ذریعہ ہر مجرم کو بری کرایا جا سکتا ہے اور ہر شریف انسان کو پھنسایا جا سکتا ہے، ہر طرح کا غلط فیصلہ کیا جا سکتا ہے، ہر جگہ فساد کرایا جا سکتا ہے، یہاں تک کہ ملک کے راز بھی بیچے جا سکتے ہیں، دواؤں اور غذاؤں میں ملاوٹ ہو رہی ہے، طبی امداد ملنا مشکل ہوگیا ہے، سنگ دلی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، ایسی صورت میں ملک تنزلی کی طرف بڑھ رہا ہے، لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور افسوس اور شرم کی بات ہے کہ لوگ انگریزوں کے دور غلامی کو یاد کر رہے ہیں۔ یہ تینوں چیزیں فوری توجہ کی مستحق ہیں اور انہی کی بنیاد پر مستحکم اور دیرپا حکومت قائم ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا نے اس وقت کے وزیر اعظم چندر شیکھر کو ایک خط لکھا اور ان کی توجہ ایسی باتوں کی طرف دلائی اور کہا: "انسانی، اخلاقی اور سچی حب الوطنی کی بنیاد پر عوام سے تعلقات بڑھائے جائیں جس میں فرقہ وارانہ رواداری، احترام انسانیت اور بقائے باہم کی اپیل کی جائے اور نصابی کتابوں سے زہرناک مواد نکالا جائے تاکہ نوجوان نسل کا ذہن صاف ہو سکے۔ ہندوستانی پریس (پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا) خبریں دینے اور تبصرہ کرنے میں اکثر غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے پبلک کا ذہن متاثر بلکہ مشتعل ہوتا ہے اور بجائے قرب واعتماد حاصل ہونے کے نفرت وحقارت اور انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ رائی کا پربت بناتے ہیں اور واقعہ کی یکطرفہ تصویر دکھاتے ہیں، جب تک پریس اور ذرائع ابلاغ پر قابو نہیں پایا جائے گا اور ان کا صحیح استعمال نہیں ہوگا ملک کی آبادی کے مختلف عناصر کی یہ دوری اور ایک دوسرے کے خلاف بداندیشی اور بدگمانی دور نہیں ہوگی۔ پولیس کی اخلاقی وانسانی تربیت ہونی چاہیے، ان میں خدمت واعانت وہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ وہمدرد انسان اپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیل کر دینے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور بدلے اور وہ ان کو اپنا محافظ ومعاون

سمجھیں،ان کے ہوتے ہوئے کوئی کسی پرظلم وزیادتی نہ کرسکے۔‘‘

حضرت مولانا نے اپنی ایک تقریر میں کہا: ’’ملک کی تین چولیں اگر بیٹھ جائیں تو ملک باقی رہے گا اور وہ تین چولیں ہیں: ایجوکیشن، پولیس اور پریس۔ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں اگر یہ درست ہوجائیں تو پھر کوئی بڑا خطرہ نہیں، آدمی پڑھ کر نکلے تو روشنی کا سبق پڑھ کر نکلے، انسان کی عزت کا سبق پڑھ کر نکلے اور اس کے بعد پولیس جس میں خدمت کا جذبہ ہو، تعاون کا جذبہ ہو، پریس جو حکومت کو عوام کے مسائل سے آگاہ کرے اور عوام تک صحیح خبریں پہنچائے۔‘‘

حضرت مولانا نے یہ بات بھی بڑی قوت سے کہی اور ہر جگہ کہی کہ یہ ملک صرف تین چیزوں پر باقی رہ سکتا ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ اس ملک کی بنیاد تین چیزوں پر ہے اور جب تک وہ تین چیزیں رہیں گی ہندوستان آزاد رہے گا، پرامن رہے گا، خوش حال رہے گا اور محبت کا گہوارہ رہے گا، سیکولرزم (Secularism)، ڈیموکریسی (Democracy) اور (Non Voilence) یہ تین چیزیں ملک کی بقا کے لیے ہیں، یہ رہیں گی ملک رہے گا، سب سن لیں کہ اس ملک میں ہندو بھی رہیں گے مسلم بھی، جینی بھی رہیں گے اور بدھسٹ بھی، سکھ بھی رہیں گے اور عیسائی بھی، یہ ملک اسی طرح رہے گا، یہ ملک سیکولر ہے، تاریخ کو الٹا سفر نہ کرائیے، تاریخ کو الٹا سفر کرانا بڑی غلطی ہے، تاریخ کو آگے بڑھائیے۔‘‘

حضرت مولانا نے انتقال سے کچھ وقت پہلے پیام انسانیت کے ایک اہم اجلاس سے جس میں فوج کے اعلیٰ افسران، سابق وزراء اور ایم ایل اے اور غیر مسلم حضرات موجود تھے، بڑے درد اور قوت سے یہ بات کہی: ’’اس وقت ملک کے سامنے سب سے بڑا خطرہ نہ جنگ کا ہے نہ کسی بیرونی طاقت کے حملہ کا، اگر کوئی بڑا خطرہ ہے تو وہ انسان سے انسان کی نفرت کا ہے، اس کے پھیلانے اور اس کو روکنے کے لیے محدود سے محدود کوشش بھی اثر انداز ہوسکتی ہے جیسے کسی صاف وشفاف پانی میں ایک چٹکی بھر نمک یا ایک چٹکی شکر ڈال دی جائے تو پورے پانی کا مزہ بدل جاتا ہے۔‘‘

حضرت مولانا نے یہ بات صراحت سے کہی کہ ’’ہم کسی پارٹی یا اقتدار کی حمایت یا مخالفت کے جذبہ سے یکسر آزاد ہوکر اور بغیر کسی جانبداری کے ان حقائق کی طرف روشنی ڈالتے ہیں کہ اہل ملک کی جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ، سکون کا اور فضا کے اعتدال کا ہر قیمت پر باقی وقائم رہنا ضروری ہے اور اگر اس ملک میں مذہبی اقلیتیں پائی جاتی ہیں تو ان کے مذہب، معابد، عائلی قانون اور اگر کسی اقلیت کو اپنی زبان عزیز ہے اور اس میں اس کا مذہبی وثقافتی سرمایہ ہے تو اس کا اور اس کے رسم الخط کا تحفظ ضروری ہے، اس لیے کہ ایک بڑے سیاسی مبصر کے بقول: تحفظ ہی کافی نہیں تحفظ کا احساس اور اطمینان بھی ضروری ہے۔‘‘

اسی کے ساتھ حضرت مولانا نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ نفرت پھیلانے والی جماعتوں پر پابندی لگائی جائے اور ان کو لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کا موقع نہ دیا جائے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارا یہ عظیم اور قابل فخر ملک سیاسی شعور اور بالغ نظری کے لحاظ سے ابھی طفولیت کے دور میں ہے، اس لیے ایک عرصہ تک مذہبی جلوسوں اور ان کے نعروں پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے کہ وہی اکثر فرقہ وارانہ فسادات کا باعث ہوتے ہیں اور منافرت کی فضا اور اکثر تصادم کے مواقع پیدا کرتے ہیں، اس لیے ان پر کلیۃً پابندی عائد کرنے یا ان کی نقل وحرکت کو محدود وپابند کرنے کی ضرورت ہے۔‘‘

موجودہ نظام تعلیم کی خرابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ’’آج حال یہ ہے کہ جتنا پڑھا لکھا انسان ہے، اتنا ہی وہ ڈرنے کے قابل ہے، آج پوری دنیا میں پڑھے لکھے بھیڑیوں کا راج ہے، ایسے بھیڑیوں کا جو دوسرے کے جسموں سے کپڑے اتار لیتے ہیں تاکہ اپنی دیوار کو پہنائیں جو دوسروں کے بچوں کے آگے سے کھانا اس لیے کھینچ لیتے ہیں کہ ان کے کتوں کا پیٹ بھر سکے، بددیانتی، خودغرضی، مطلب پرستی، نفس پرستی پر آج کے پورے نظام تعلیم کی بنیاد ہے۔‘‘

انسان کی تعمیر

محمد نجم الدین ندوی

آج دنیا میں ایک نہیں، ہزاروں ابوجہل موجود ہیں اور ہزاروں یزید بھی جن کے فتنہ ہائے شرربار سے خدا کی زمین جہنم کدہ بنی ہوئی ہے، بعض دریدہ دہنوں کو کیا کہیں جن کی تقریروں اور بیانات سے نفرت وعداوت اور شرانگیزی کے جھاگ نکل رہے ہوتے ہیں اور متعصّبانہ تاریخ نویسی نے بھی ہندوستان کی فضائے بسیط میں زہر گھول دیا ہے اور انسانوں کے ایک طبقہ کو تو حکمرانی وسیاست کی ہوس نے نفرت کا سوداگر بنا رکھا ہے۔

اسلام، تاریخ ادیان میں واحد مذہب ہے جو انسانیت کی پوری رہنمائی کی صلاحیت کا حامل ہے، جہاں تک دیگر مذاہب وادیان کی بات ہے ان میں انسانی شعبہ زندگی کے ایک حصہ میں بھی پوری رہنمائی کی صلاحیت وقوت نہیں ہے اور نہ پائی جاتی ہے، ان میں مقام انسانیت بھی بہت حد تک گرا ہوا ہے، اسلام میں انسان کا مقام اور اس کی عظمت کے تئیں اس قدر کافی ہے کہ

﴿مَن قَتَلَ نَفساً بِغَيرِ نَفسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحيَا النَّاسَ جَمِيعاً﴾

(جس نے بھی بغیر کسی جان کے یا بغیر زمین میں بگاڑ کے کسی کو (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی کی جان بچالی تو اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔)

صرف یہی نہیں بلکہ لسانی عصبیت، علاقائی عصبیت، نسلی عصبیت اور تہذیبی عصبیت خطرناک اور سخت ترین امراض ہیں، ان سے قومیں اور ملک کے چراغ گل ہوئے اور اس سلسلہ میں اسلام نے ابدی وہمہ گیر ہدایت کا پیام سنایا اور یہ بتادیا کہ یہ ہدایت نہ صرف افراد کے لیے ہے بلکہ قوموں اور ملتوں کے تئیں بھی لائحہ عمل ہے اور یہ کہ جب انسان کی تعمیر ہوتی ہے تو تمام تر عصبیتوں سے وہ بالائے طاق ہوتا ہے۔

ہر ذی شعور اور عقل وفہم کا حامل فرد جانتا ہے کہ اس وقت دو محاذ ہیں: ایک کفر والحاد کا محاذ ہے اور دوسرا محاذ اسلام ہے۔ اس میں اگر ذرا سی چوک ہوتی ہے تو اس کے کیا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، اس سے ہر پڑھا لکھا ہی نہیں، ایک دہقان اور معمولی انسان بھی آگاہ ہے، تاریخ میں انصار کے دو قبیلے اوس وخزرج کی آپسی لڑائی، انتقامی جذبات اور چالیس سال تک لڑی جانے والی لڑائی سے کون ہے جو واقف نہیں لیکن اسلام آیا، اس نے ایسا شیر وشکر کر دیا اور ایک ایسا مجموعہ واخوت بنادی جو دنیا کی مستحکم طاقتوں سے آنکھ ملا اور مقابلہ کر سکتی تھی، ان کو آگاہ کر دیا گیا کہ اگر ان میں وحدت واخوت کی اساس مستحکم نہ رہی اور اس کو استحکام عطا کرنے کی فکر نہ کی تو اس کی دنیا میں یہ سزا ہو کر رہے گی کہ

﴿إِلَّا تَفعَلُوهُ تَكُن فِتنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾

یعنی اگر تم نے اس میں ذرا سی غلطی کی اور کوتاہی کا معاملہ کیا تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ دنیا میں فتنہ ہوگا اور بڑا افساد برپا ہو جائے گا۔

انسانی تاریخ میں جماعت صحابہ وہ مثالی معاشرہ تھا جس میں جوہر انسانی کھل کر آتا ہے اور انسانی اصلاح کا سرمایہ بھی تھا، انسانیت کی آس بھی اسی جماعت کے لوگوں سے قائم تھی، تاریخ کا ایک ایسا معاشرہ تھا جس میں انسان رہتے تھے اور اس معاشرہ کا ہر فرد دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا اور محبت سے پیش آتا، جہاں قلب کو سکون اور روح کو سرور حاصل ہوتا تھا، اس ماحول کی تشکیل اور معاشرہ کی تخلیق کفِ دست پر سرسوں جمانے کا کام نہیں، بزم جہاں کو اور ہی انداز دینے میں واضح لائحہ عمل کے ساتھ وقت دینے کی ناگزیری عقل ومنطق کا تقاضا ہے اور فطرت انسانی بھی اس سے ہم آہنگ ہے۔

انسان کی تعمیر اور آدم گری ومردم سازی نبوت کا اصل کارنامہ ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے رقم فرمایا ہے کہ

’’ہر نبی نے اپنے دور میں یہ کارنامہ انجام دیا ہے اور ایسے افراد تیار کیے جنھوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی۔‘‘

اس مشن کو آگے بڑھانے کی ضرورت سے کیا کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ اب شکوہ انسانی سماج میں یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں انسان اور انسانیت و انسانی اوصاف کا فقدان تیزی سے ہوتا ہوا نظر آرہا ہے خواہ ملکی پیمانہ پر دیکھا جائے یا پھر عالمی منظرنامہ میں ایک نظر ڈال لی جائے لیکن یہ بھی امر تسلیم شدہ ہے کہ اس مشن کے لیے خدمت یا انسانیت نوازی بنیادی اصول ومنہاج ہیں اور اسلام میں خدمت انسانیت کی شاندار تاریخ رہی ہے اور اس میں خدمت انسانیت کا ایک مکمل نظریہ وزوایۂ نگاہ (Islamic Concept of Social Service) ہے، اس نظریہ میں مذہبی تصور پایا جاتا ہے، اس خدمت کی حیثیت مادی لحاظ ہی سے نہیں بلکہ اس کا روحانی پہلو بھی درخشاں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک مکمل ضابطہ دیا اور آداب ومنہج اور طریقہ کار سے آگاہ کیا، اس نقطہ نظر سے اسلام میں خدمت انسانی کے نظام خاص طور پر اس کے جملہ بنیادی نکات کا جائزہ اور مطالعہ کیا جانا چاہیے تاکہ انسانی خدمت کا تصور ابھرے اور شعور بیدار ہو، اس کے نتیجہ میں ایک بہتر سماج کی تشکیل ہو اور معاشرہ میں ایک صحت مند تبدیلی رونما ہو۔

انسان کی تعمیر اور ایک بہتر انسانی معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کے لیے یہ بنیادی تصور دیا گیا کہ تمام انسان کو برابر قرار دیا گیا ہے، رسول انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے‘‘ کبھی یہ فرمایا کہ ’’میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تمام بندگان خدا رشتہ اخوت میں منسلک ہیں‘‘ اور یہ بھی فرمایا کہ ’’اے انسانو! تم سب آدم سے بنے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔‘‘ اس لیے اوراق سیرت میں احترام انسانی کے بیش بہا واقعات اور نمونے بہت ملتے ہیں، اس تصور کے ساتھ خدمت انسانی کے لائحہ عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو وابستہ رکھا اور یہی حضور علیہ السلام کا معاشرتی تعارف بھی تھا، نبوت سے سرفرازی کے بعد گھر تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ گویا ہوئے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اس موقع پر کہا تھا جس میں تسلی دیتی ہوئی نظر آتی ہیں اور گواہی بھی دے رہی ہیں کہ ’’حضور! آپ بالکل نہ گھبرائیے، اللہ ہرگز آپ کو ضائع نہ فرمائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے اور رشتوں کو جوڑ کر رکھتے ہیں، بے کسوں اور بوجھ میں دبے لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، کمزوروں و تہی دستوں کو کما کر دیتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی و خدمت کرتے ہیں اور ناگہانی آفتوں اور مصیبتوں میں پڑے ہوؤں کی مدد کرتے ہیں۔‘‘

دور نبوت کے بعد عہد خلافت سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے شروع ہوتا ہے، ایک عظیم نام ہے، ان کا واقعہ ہے کہ ابن الدغنہ جیسے کافر سردار نے ان سے وہی اوپر درج جملے کہے، جب مکہ میں ظالموں اور کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کی غرض سے نکل پڑے، ایک رات و دن کے سفر کے بعد راستہ میں ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی، مکہ چھوڑنے کی وجہ دریافت کی، اس موقع پر ابن الدغنہ نے یہی الفاظ کہے تھے۔

یہ یہاں اس غرض سے ذکر کیا گیا کہ جو تعارف حضرت خدیجہ نے حضور علیہ السلام کا کرایا تھا وہی تعارف ابن الدغنہ نے بھی حضرت ابوبکر کا کرایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت کا جو مزاج تھا وہی خلافت کا مزاج بھی تھا اور یہ کہ چند الفاظ کے دائرہ میں گھرے ہوئے یہ جملے وہ اساس ہیں جس پر ایک بہتر و حقیقی اور پرسکون معاشرہ کی تخلیق ہو سکتی ہے جس میں ہر سماج کے افراد بستے ہوں اور یہ کہ انسانی سماج کو خدمت واخوت کی لڑی میں پرو کر انسانوں کو امن وسلامتی کی راہ دکھائی جا سکتی ہے۔ بندۂ خدا انسانوں کو اس کی طرف دعوت دے اور سب سے بڑھ کر وہ اپنے طرز عمل سے یہ بات کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

ہندوستان کے منظرنامہ میں بھی یہی مسلمانان ہند کے لیے بہترین لائحہ عمل ہے، ’’پیام انسانیت‘‘ کی صدا دراصل انسان کی تعمیر اور اس کی پکار ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا تھا: ’’آج ہم مسلمانوں میں کون ایسا جری ہے کہ جو بہ بانگ دہل کہہ سکے کہ جہاں تک خدا کے احکام کی تعمیل کا تعلق ہے' میں اول مسلمان ہوں، بعد میں مسلمان ہوں اور کچھ بھی نہیں' صرف مسلمان ہوں، مگر جہاں تک ہندوستان کے فلاح وبہبود کا تعلق ہے' میں پہلے ہندوستانی ہوں، آخر میں ہندوستانی ہوں اور کچھ نہیں، صرف ہندوستانی ہوں۔‘‘

تحریک پیام انسانیت-طریقۂ کار اور دائرۂ کار

سید عبدالعلی حسنی ندوی

سنہ ۱۹۷۴ء میں آل انڈیا تحریک پیام انسانیت کی باضابطہ داغ بیل ڈالی گئی، جس کا بنیادی مقصد روئے زمین پر بسنے والے جملہ انسانوں کو وہ بھولا بسرا سبق یاد دلانا تھا جو ان کی سرشت وطینت کا لازمی حصہ بلکہ جزء لاینفک ہے، تاہم اسے گردوپیش کے حالات اور ان کے زہرناک اثرات بسا اوقات مسموم کردیتے ہیں اور انسان اپنے وجودی عنصر یعنی انسانیت کو فراموش کر بیٹھتا ہے، چنانچہ یہ تحریک اپنے اولین مقاصد کے تحت خودغرضی، مطلب پرستی، حرص وہوس، مذہبی منافرت، باہمی عداوت، علاقائی تعصب اور دیگر مہلک بیماریوں کے شیریں لیکن زہریلے خمار میں مدہوش و آلودہ انسانوں کو انسانیت، محبت، معاونت، باہمی فکرمندی و ہمدردی جیسے مژدہائے جاں فزا سے بیدار کرکے ایک لڑی میں پرونے کے لیے برپا ہوئی۔

اس تحریک کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ یہ تحریک ''تحریک وحدت انسان ہے'' جہاں مختلف مذاہب رنگ ونسل تہذیب وتمدن اور متنوع خیالات کے افراد ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہوتے ہیں اور انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تبادلہ خیال کیا جاتا ہے اور عملی کوششیں انجام پاتی ہیں، مزید برآں یہ وہ مشن ہے جو اِن دگرگوں حالات میں امت مسلمہ کے لیے سامان اکسیر ہے اور معاشرہ میں گھولی جارہی زہرناکیوں کے مقابلے میں تریاق بھی۔

طریقۂ کار اور دائرۂ کار:

اس مشن کے دو پہیے ہیں جن پر پیام انسانیت کا کارواں رواں دواں ہے:

(۱) پیغام رسانی۔

(۲) عمل درآمدگی۔

یعنی ایک جانب بین المذاہب مذاکراتی نشستیں ہوں جن میں متنوع خیالات ونظریات ادیان ومذاہب کے حامل اہم مؤثر اور سربرآوردہ افراد کو مدعو کیا جائے اور خالص اخلاقی اور انسانی موضوعات پر تبادلہ خیال ہو، پرامن بقائے باہمی، آپسی رواداری، مشترکہ انسانی مفاد وباہمی امداد پر غور وخوض ہو نیز معاشرہ میں سرایت کررہی مہلک سماجی برائیوں کے سدباب کے لیے مؤثر تدابیر زیر بحث لائی جائیں اور وسیع پیمانے پر خدمت خلق کے حوالے سے strategies بنائی جائیں جنہیں بروئے کار لانے میں مذکورہ بالا مشارکین کو شامل کیا جائے، البتہ ہم بحیثیت امت مسلمہ اس محاذ پر قائدانہ کردار ادا کریں اور ہراول دستے میں علم تھامے ہوئے نظر آئیں تاکہ بحیثیت مجموعی ہماری افادیت ونافعیت کا دیگر اقوام کو مشاہدہ واحساس ہو اور اخلاق نبوی کے روشن و پرنور دریچے وا ہوں اور نسیم صبح جاں نواز کے خوش گوار اور عطر بیز جھونکوں سے بنی نوع انسان بہرہ ور ہو اور دلوں کی خشک اور ویران کھیتیاں گل وگلزار ہو اٹھیں۔

دوسری طرف اسکولوں اور کالجوں میں پروگرامز ہوں جہاں مذکورہ بالا موضوعات اور بالخصوص تعلیم اور اس کے مقصدِ اصلی پر گفتگو کی جائے نیز گفتگو میں سامعین کی ذہنی سطح اور مزاج ونفسیات کو بھی خوب ملحوظ رکھا جائے اور یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ موضوع سخن

محض اخلاقی اور انسانی اقدار ہوں اور مرجع قرآن وحدیث تاہم حوالوں سے حتی المقدور گریز کیا جائے ورنہ مذاکرہ لمحہ بھر میں مناظرہ بن جائے گا اور سنجیدہ ماحول کشیدہ ہو اٹھے گا، اس طرح اور بھی متعدد طریقے ہیں پیغام رسانی کے اور زبان وآہنگ سے انسانیت ومحبت کی جوت جگانے کے جن کا تفصیلی ذکر مطلوب نہیں۔

دوسری طرف عملی کاوشیں ہیں بایں معنی کہ جو پیغام ہم پہنچا رہے ہیں اس پر عمل بھی درآمد کیا جائے اور خدمت خلق خدا میں ہمارا کوئی ہمسر نہ ہو، اس سلسلہ میں متعدد سرگرمیاں مختلف علاقوں میں انجام دی جارہی ہیں اور جن علاقوں میں صحیح ڈھب اور مطلوبہ رفتار پر کام ہورہا ہے وہاں سے خاطر خواہ نتائج بھی سامنے آرہے ہیں، عملی سرگرمیوں کا ذکر امر تفصیل طلب ہے، قصہ کوتاہ یہ کہ بنیادی طور پر ۳ر شعبوں میں عملی خدمات انجام دی جاتی ہیں:

(۱) صحت (Health)

(۲) تعلیم (Education)

(۳) محکمہ پولیس (Police)

شعبہ صحت میں ہسپتالوں کا دورہ، پریشان حال ضرورت مند اور بے سہارا مریضوں کی تیمارداری اور امدادرسانی، پس ماندہ محلوں میں اور دیہی علاقوں میں مفت میڈیکل کیمپس، مفت طبی خدمات اور ادویہ کی فراہمی، خون عطیہ کیمپس، سرکاری ہسپتالوں میں معالجے کے لیے درماندہ بھٹک رہے لوگوں کی رہنمائی اور علاج کا بندوبست اور اس طرح کی متعدد دیگر سرگرمیاں اس شعبے کے تحت انجام دی جاتی ہیں نیز اسی ضمن میں ''منشیات سے پاک معاشرہ'' de-addiction campaigns کا بھی ملک کے مختلف حصوں کامیاب انعقاد ہورہا ہے اور hunger free India کے عنوان سے متعدد علاقوں میں روزانہ مفت کھانا بھی تقسیم کیا جاتا ہے، چونکہ منشیات اور بھوک کے بارے میں اعداد وشمار انتہائی تلخ وتشویش ناک ہیں، اس لیے ان کاموں پر خصوصی توجہ مرکوز کی جارہی ہے۔

دوسری طرف تعلیم کے مختلف شعبوں میں بھی اسی طرح مفت خدمات انجام دی جارہی ہیں اور محکمہ پولیس بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ جیلوں میں قابل ضمانت قیدیوں کی رہائی اور counseling sessions کا انعقاد بھی گاہے بگاہے ہوتا رہتا ہے، اس طرح کی گوناگوں سرگرمیاں ہیں جنہیں بالاستیعاب شمار کرنا اور باریک بینی کے ساتھ زیر بحث لانا موجب طوالت ہے۔

چناچہ سو باتوں کی ایک بات یہ کہ اول تو بلاتفریق مذہب وملت ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ بننا بجائے خود عظیم عبادت ووسیلہ تقرب الٰہی اور اتباع سنت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے بلکہ طرہ افزوں یہ کہ اگر ہم یہ خدمات اجتماعی طور پر منظّم ومرتب انداز سے تسلسل کے ساتھ انجام دیں تو یہ سلسلہ دعوت اسلام کا دیباچہ اور دین کی نشر واشاعت کی انتہائی عمدہ اور کارگر تمہید وپیش خیمہ ثابت ہوگا نیز جب ہماری مجموعی تصویر ایک کارآمد اور ثمر بخش قوم کی حیثیت سے اہالیان وطن کے سامنے آئے گی تو یہ ہمارے مقام ومرتبے کو سب کی نگاہوں میں بلندئ پرواز عطا کرے گا جس سے ہم اور ہمارے ادارے، ہمارے دینی مراکز، معاہد ومساجد سب ایک حصار میں آجائیں گے جسے سیندھ لگانا آسان نہیں ہوگا۔

چنانچہ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ کام خالصتاً اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے انجام دیا جائے کہ کمزور وضرورت مند انسانوں کی خدمت عین عبادت اور ذریعہ تقرب ہے اور تحریک کے اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے اور دائرۂ کار کو بھی خوب سمجھ لیا جائے کہ گو کہ یہ دعوت کی راہ ہموار کرنے کا کام ہے، البتہ براہ راست دعوت کا کام نہیں، چنانچہ ہم پیام انسانیت کے بینر تلے صرف ''انسانیت'' ہی کو موضوع بنائیں اور گفتگو کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھیں، نہ اتنا گھلیں ملیں کہ ان کے شرکیہ وکفریہ عقائد ومذہبی رسومات کی طرف کسی بھی طرح کا ادنیٰ ظاہری یا قلبی میلان ہو چہ جائیکہ شرکت اور نہ ایسی کنارہ کشی ہو کہ ایسی حد فاصل قائم ہوجائے کہ وہ ہماری بات سننے کے روادار ہی نہ رہیں۔

مولانا علی میاں ندویؒ اور تعمیر انسانیت

محمد ارمغان بدایونی ندوی

مصلحین ومجددین اور دعاۃ کی زندگیاں تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں، ان سے ہر وہ شخص لعل وگہر چنتا ہے جو ترقی کا خواہاں ہو، بیسوی صدی کی عظیم اسلامی شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی اسی سلسلۃ الذہب کا ایک جزو لاینفک ہیں جن کا نسبی سلسلہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما پر منتہی ہوتا ہے، آپ کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل اور کردار کی پختگی میں خاندانی خصوصیات کا بڑا دخل ہے، آپ کی شخصیت ایک جامع ومتوازن فکر کا حسین مرقع تھی، جس نے مختلف میدانوں میں عملی طور پر تعمیری کردار ادا کیا، تاریخ آپ کا خاص موضوع تھا، اسلام کے مدو جزر کا آپ نے گہرا مطالعہ کیا تھا اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کو سمجھا تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ آپ بیک وقت کامیاب مفکر، عظیم داعی، ممتاز صاحب قلم اور مثالی معلم ومربی تھے جنھوں نے ہر سطح پر تعمیر انسانیت کا مثالی کردار ادا کیا، آپ کا طبعی طور پر خاندانی ذوق تصنیف وتالیف تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا دردمند دل عطا کیا تھا جس سے اخلاقی قدروں کو پامال ہوتے نہ دیکھا گیا اور جس نے شروع ہی سے دعوتی وتحریکی زندگی کو ترجیح دی، اس کی خاطر آپ نے انسانیت کی صدا لگائی، لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑا، اصلاح باطن واصلاح ضمیر کی طرف خاص توجہ دلائی اور حکمراں طبقہ میں بڑھتی انارکی اور زبوں حالی پر مثبت وحکیمانہ طرز سے اصلاح کا کام کیا اور انسانی معاشرہ کی سماجی، سیاسی وتعلیمی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھ کر ان کا مناسب حل پیش کیا، لہٰذا بجا طور پر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ تعمیر انسانیت کے باب میں آپ کی سماجی، ملی اور تہذیبی خدمات قابل تقلید ہیں۔

انگریزی جبر واستبداد کی داستان تاریخ ہند کا ایک الم ناک پہلو ہے، آزادی ہند کے بعد اس دور کا گرچہ خاتمہ ہوگیا لیکن یہ ملک ان کی ریشہ دوانیوں اور دسیسہ کاریوں سے پھر بھی محفوظ نہ رہ سکا، انگریزوں کی اولین کوشش یہ رہی کہ اس ملک کے باشندوں کو باہم دست وگریباں کردیا جائے، نفرت وفرقہ واریت کو بڑھاوا دیا جائے اور کسی بھی صورت اس ملک کو اقتصادی، سماجی اور اخلاقی سطح پر بلند ہونے کا موقع حاصل نہ ہوسکے، حضرت مولاناؒ کی نگاہِ بصیرت نے اس سازش اور اس کے سنگین مضرات کو سمجھا اور اس کے تدارک کی خاطر ملک کے طول وعرض میں متعدد دورے کیے، تشدد پسند واشتعال انگیز ذہنیتوں کو اپیل کی اور اخلاقی قدروں کو بحال کرنے کی بھی پرزور دعوت دی اور یہ حقیقت واضح کی کہ فرقہ وارانہ تشدد کی مثال آگ کی سی ہے جس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب اسے کوئی چیز کھانے کو نہیں ملتی تو وہ خود کو کھا جاتی ہے، مولانا کے ان دردانگیز خطابات کا پورے ملک پر خاص اثر پڑا، حالات کسی قدر سازگار ہوئے اور فرقہ وارانہ فسادات میں کمی واقع ہوئی۔

مولانا کے ان دوروں اور خطابات کا سلسلہ آزادی ہند کے بعد ہی سے شروع ہوگیا تھا، مگر بعض اسباب کی بنا پر درمیان میں وقفہ رہا لیکن مولانا کا خیال تھا کہ اگر ملک میں تشدد وتنفر کا ماحول قائم رہا، فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکتی رہی، سیاسی صف بندیاں ہوتی گئیں اور ملک کے باشندوں میں مذہب کے نام پر نفرت کی دیواریں کھڑی کی جاتی رہیں تو یہ ملک جہنم کدہ بن جائے گا، اس کے لیے ۱۹۷۴ء میں الٰہ آباد سے باقاعدہ ''تحریک پیام انسانیت'' کا آغاز ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو اغراض وتعصّبات کی دلدل سے نکالا جائے، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے اوپر اٹھ کر سوچنے کا فکرہ پیش کیا جائے اور انسانی سوسائٹی موت وزیست کی جس کشمکش میں گرفتار ہے، اس سے رہائی

دلائی جائے اور بالخصوص ہندوستانی معاشرہ میں بڑھتی ہوئی اخلاقی انارکی اور انسانیت سوز حرکتوں کی طرف صراحۃً نشان دہی کی جائے تاکہ ملک میں امن وامان اور اعتماد کا ماحول قائم ہو۔

تحریک کے اسٹیج سے مولانا کے خطابات ان کے جذبہ تعمیر انسانیت کے آئینہ دار ہیں، ان خطابات میں انسانی سماج کی تعمیر وترقی اور اس کے زوال کے اسباب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا کے نزدیک سماج کی تعمیر وترقی کا راز محض تعلیم میں دلچسپی، اقتدار کی ہوس اور مال وزر کی محبت نہ تھا بلکہ سماج کی ترقی کا اصل جوہر انسان کے ضمیر کا زندہ رہنا تھا، جب تک انسانی ضمیر مردار رہے گا، اس وقت تک تمام کوششیں ایک تن بے جان کے سوا کچھ نہیں، وہ اپنے ایک خطاب میں انسانی ضمیر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’لیڈر اپنی جگہ پر، سیاسی جماعتیں اپنی جگہ پر، دانش گاہیں اپنی جگہ پر، لائبریاں اپنی جگہ پر، خطیب ومقرر اپنی جگہ پر، ذہین بلکہ Genius قسم کے انسان اپنی جگہ پر لیکن وہ ضمیر کہاں ہے جو معاشرہ کی اس پستی پر، انسانیت کی اس پستی پر خون کے آنسو روئے؟ انسانیت کی حفاظت اسی ضمیر نے کی ہے، تفنگ وشمشیر نے نہیں کی ہے، سپاہ اور فوج نے نہیں کی ہے، شاہی خزانوں اور دولت کی بہتات نے نہیں کی ہے، علم انسانی کی ترقی نے نہیں کی ہے، ٹکنالوجی اور سائنس نے نہیں کی ہے بلکہ ایک ’’ضمیر انسانی‘‘ ہے جو سب پر غالب آیا، جہاں وسائل نہیں تھے اس نے وسائل پیدا کر لیے۔ (انسانیت کی مسیحائی:۱۹۶)

مولانا کے نزدیک خوفِ خدا اور حب الوطنی کا سچا جذبہ بھی تعمیر انسانیت کا پہلا زینہ تھا جس کے بغیر تمام تعمیری منصوبے اور مادی ترقیات ناکام ہیں۔ وہ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

’’اگر کسی ملک یا قوم میں نہ تو خوفِ خدا ہو، نہ سچی حب الوطنی ہو تو اس کو تعمیری منصوبے اور مادی ترقیاں تباہی سے بچا نہیں سکتیں۔ اہل ملک اس صورت حال پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔‘‘

(انسانیت کی مسیحائی:۴۹)

مولانا کے نزدیک انسانی سماج کی تعمیر وترقی میں اخلاق وکردار اور انسانیت دوستی کا بڑا دخل تھا جس کی عدم موجودگی میں انسانی تعمیر کے ظاہری ذرائع بھی نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتے، خواہ بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوں، یا اعلیٰ سے اعلیٰ لائبریریاں ہوں یا علم وسائنس میں انتہائی درجہ ترقی ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی یہی وہ جامع اور متوازن فکر تھی جس کو خواص وعوام میں ہر ایک نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ارباب حکومت نے بھی وقعت وتعلق خاطر کا اظہار کیا۔

مولانا کا معاملہ یہ تھا کہ وہ ٹکراؤ کی پالیسی اختیار کرنے کے بجائے افہام وتفہیم سے کام لیتے تھے اور جہاں تک اسلامی عقائد واعمال پر زد نہ پڑ رہی ہو، رواداری برتتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نازک وحساس ملکی مسائل میں آپ ہی کی شخصیت ثالثی کا کردار ادا کرتی تھی اور اہل حکومت بھی آپ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ بلاشبہ ایسی عبقری شخصیت کی وفات ملک وملت کے لیے کسی عظیم خسارے سے کم نہیں ہے، جس شخصیت نے آج سے کئی برس قبل ملک کی منجدھار میں پھنسی کشتی کو پار لگایا تھا اور انسانیت کا درس دیا تھا اور تعمیر وترقی کے روشن اصول بیان کیے تھے، آج بھی اس شخصیت کے عالی افکار کو عالمگیر سطح پر عام کرنے کی سخت ضرورت ہے، نفرت وبھید بھاؤ اور اغراض وتعصّبات کی بڑھتی اقدار کے ازالہ کا یہی ایک مؤثر حل ہے اور یہ صرف کسی قوم، فرد یا ملک ہی کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ یہ پورے عالم انسانی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ:

’’نہ صرف ہندوستان بلکہ اس موجودہ دور اور عالم انسانی کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ اغراض وتعصّبات، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے بالکل آزاد اور بے تعلق ہو کر عام انسانوں کے سامنے وہ حقیقتیں رکھی جائیں جن پر انسانیت کی نجات اور سلامتی موقوف ہے اور جن کو نظر انداز کر کے ہمارا یہ پورا تمدن اور پوری انسانی سوسائٹی اس وقت خطرہ سے دوچار اور موت وزیست کی کشمکش میں گرفتار ہے۔‘‘

(مقام انسانیت:۵)

ملک کی جلد خبر لیجیے

مولانا اسحاق جلیس ندوی رحمۃ اللہ علیہ

۴۷ء میں جب اس ملک کو آزادی ملی تو تربیت کی کمی، ذاتی یا قومی خود غرضی اور جہالت و آدمیت کے احترام کے فقدان نے اس ملک کے لوگوں میں وہ دیوانگی پیدا کردی کہ انسان انسانوں کے حق میں درندے اور سانپ اور بچھو بن گئے اور انہوں نے ایسے وحشیانہ کام کیے کہ آدم خور وحشی سر جھکالیں اور کانوں پر ہاتھ رکھیں، بے کس عورتوں کی بے آبروئی کی گئی، شیر خوار بچوں کو سنگینوں اور بھالوں سے قتل کیا گیا، چلتی ہوئی ریل سے مسافروں کو پھینکا گیا، کنوؤں میں زہر ملایا گیا، جلتی چتا میں جیتے جاگتے آدمیوں کو بٹھا کر جلا دیا گیا، ایک ایسا ملک جس کی اخلاقی سطح اتنی پست اور اس دیش کے بہت سے رہنے والے آدمیت اور تہذیب سے اتنے کورے ہوں' کیا اس ملک کی اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار سے بڑھ کر کوئی مسئلہ اہمیت رکھتا ہے؟!

پھر جب اس ملک کے دونوں حصوں کو حکومت مل گئی تو کچی سیرت، ناقص تربیت اور انگریزوں کے ڈھالے ہوئے اخلاق نے یہاں بھی گل کھلایا، رشوت ستانی اور معاشی لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہوئی، کنٹرول نہیں تھا تو قیمتیں اتنی چڑھ گئیں کہ غریب کی زندگی مشکل ہوگئی، کنٹرول قائم ہوا تو چور بازاری اور ناجائز نفع خوری نے سر نکالا، ایک طرف افراط زر نے ملک کے مالی توازن کو درہم برہم کر رکھا ہے، دوسری طرف بڑھی ہوئی غربت نے لوگوں میں عام بے چینی پیدا کر رکھی ہے، ان غریبوں کو ملک کی آزادی اور عوامی حکومت کا احساس بھی نہیں۔

ایسی صورت میں ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر تمام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہیے تھی اور اس کو اپنی مصروفیتوں میں پہلی جگہ دینی چاہیے تھی، اس ملک کی اخلاقی اصلاح، سماجی سدھار اور ذمہ داری کا احساس تھا، درحقیقت ملک کی موجودہ صورت حال میں اس مسئلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے یا تیسرے درجہ کے مسئلہ کو اپنا موضوع بنالینا اور کسی فرضی سبب کو اس ملک کی موجودحالی کا حقیقی سبب قرار دے لینا ایک ایسا اخلاقی جرم ہے جس کو اس ملک کا ہوش مند مؤرخ معاف نہیں کرے گا، جس ملک میں انسانی زندگی کا احساس اور آدمیت کے احترام کی تلقین کی ضرورت ہو، جس ملک میں عام انسانی اخلاق کی کمی ہو، جہاں لوگ بڑھی ہوئی رشوت، پھیلی ہوئی چور بازاری اور حد سے بڑھی ہوئی نفع خوری کی وجہ سے اپنی جان سے عاجز ہوں جہاں اخلاقی اور قانونی جرائم میں ترقی ہو، وہاں ان تمام چونکا دینے والے واقعات سے آنکھ بند کر کے صرف ایک کلچر ایک زبان اور سوشلزم کی بے معنی رٹ لگائے جانا اور اس کو ہر مرض کی دوا سمجھنا اور اس پر زبان اور پریس کی تمام طاقتوں کا صرف کر دینا اس ملک کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے؟!''

(تعمیر حیات، ۲۵/مارچ ۱۹۷۴ء)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 17 ⚜ November 2025 ⚜ Issue: 11

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

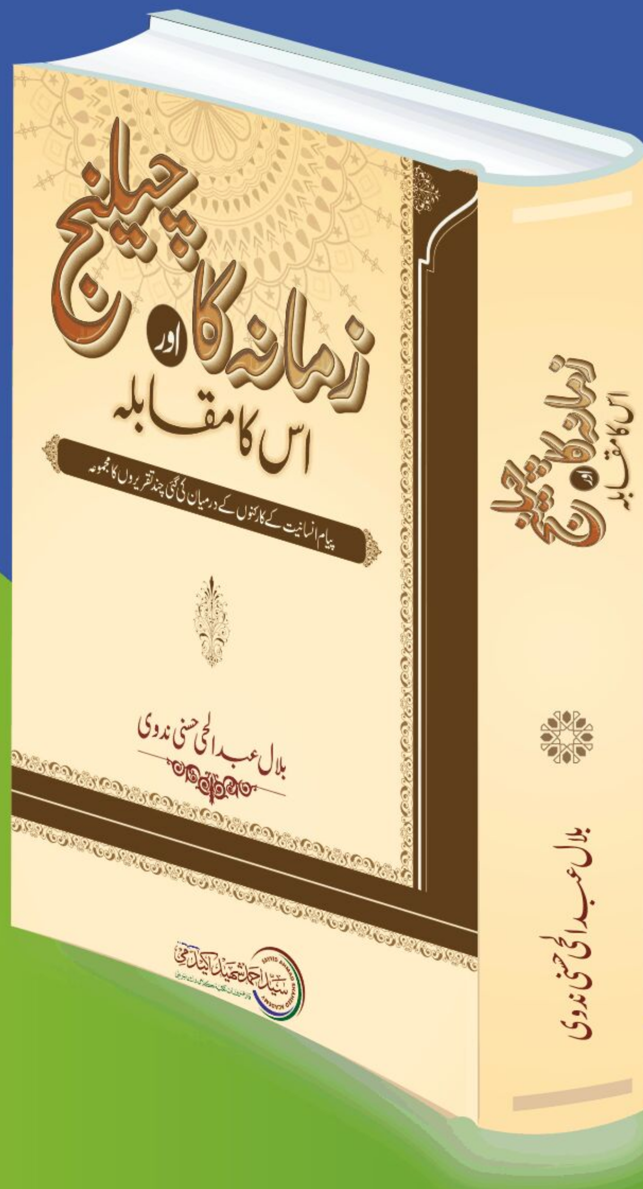

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)